KitaabPoint.blogspot.com

آیا ہے۔ مگر پھر بھی کمبخت رتوں کا تو لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اب کے تو جھکا بھی ایسا لگا کہ پندھرواڑہ بیت گیا اور سورج دکھائی نہیں دیا۔ تو پھر کڑھائی تو چڑھنی ہی تھی۔ ہری گیلی چیزیں ڈھیر ساری چھوٹے میاں بازار سے لے آئے۔ سندیں تو پھنکی پھنکی پھر رہی تھیں۔ بھلا اب اتنے کھانے والے گھر میں کہاں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر گھیور۔ چھوٹے میاں نے اصرار کیا کہ پھوپھی اماں' یہ تو ساون کی مٹھائی ہے۔ اور آپ کو تو ویسے بھی گھیور بہت پسند ہے۔ مگر قسم لے لو جو میں نے گھیور بھری تھالی کو آنکھ بھر کے دیکھا ہو۔ ادھر کڑھائی چڑھی تھی۔ اور ہر طرح کا پکوان پک پک کر اتر رہا تھا۔ شکر پارے' نمک پارہ' پوڑے' پھلکیاں' گھنگھنیاں' سوندھی مہک آتی رہی اور میں دم مارے بیٹھی رہی۔ جب اروی کے پتے تلے جانے لگے تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ مگر میں نے کھایا کتنا تھا۔ بس دم کے دم میں الٹ گئی۔ لچھو دوڑیو ہو گئی۔ اب گئی کہ اب گئی۔ مگر زندگی تھی کہ بچ گئی۔ لے دے کر ایک سانس کی ڈوری ہی تو ہے کہ چل رہی ہے۔ اس ڈوری کا کیا بھروسہ' کچا سوت ہے' کسی وقت بھی ٹوٹ جاوے۔

تو بیٹے اب اب مجھ میں کچھ نہیں رہا۔ بس سانس آ جا رہا ہے۔ پوچھو گے کہ مرض کیا ہے۔ ارے بیٹا کوئی بھی مرض نہیں ہے۔ سو مرضوں کا ایک مرض بڑھاپا۔ یک پیری وصد عیب' بس اب تو یہی دعا ہے کہ کسی طرح سے یہ سار ہو جاوے۔ ارے میں تو حیران ہوں کہ اب تک جی کیوں رہی ہوں۔ بھیا جانی پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اب میاں جانی کی بھی آنکھ بند ہو گئی۔ بخت ماری بہن کو عاقبت کو بوریں سمیٹنے کے لئے چھوڑ گئے۔ لیکن خیر میرا کوچ اب زیادہ دور نہیں ہے۔ پرسوں کی بات ہے میں نے خواب میں کیا دیکھا کہ اکہ ڈیوڑھی کے سامنے آ کے رکا ہے۔ بھیا جانی اور میاں جانی اس میں سے اترے ہیں۔ میں خوش بھی اور حیران بھی کہ یہ کہاں سے نکل آئے۔ اور کیا بتاؤں کہ چہروں پہ کیسی رونق تھی۔ اور لباس سفید براق۔ اکے سے اترے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ بہن ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ سامان باندھ لو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ مجھ غریبنی کے پاس کیا سامان ہونا تھا۔ بس ایک پوٹلی ہے جس میں سے تلے دانی نکال لوں تو کچھ بھی نہ بچے اور ہاں جانماز جس میں ایک سجدہ گاہ خاک شفا والی' ایک تسبیح' اور پنج سورۃ اور ہاں مناجاتوں کی ایک کتاب ہے۔ کہہ رہے ہیں کہ پھر دیر کس بات کی ہے۔ بسم اللہ کرو۔ اے لو اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ پچھلا پہر تھا۔ گھڑی گزری ہو گی کہ مرغے نے اذان دے دی۔ تو لال میرے' سواری ہماری تیار ہے۔ سفر کا ٹنٹو سا کھڑا ہے۔ اسی لئے یہ رقعہ لکھا ہے کہ آخری وقت میں صورت دکھانے جاؤ۔ اور اپنی پھوپھی اماں کے جنازے کو کاندھا دے جاؤ ارے یہی تو دکھ مجھے کھائے جا رہا ہے کہ میرا وقت آیا تو سب تتر بتر ہو گئے۔ جب بھیا جانی سدھارے تھے تو گھر بھرا ہوا تھا۔ پورا کنبہ ان کے لئے رویا تھا۔ اور جب جنازہ اٹھا تھا تو کیا بین ہوئے ہیں۔ چالیسویں تک رونق رہی۔ اور چالیسویں پہ دور پرے کے رشتہ دار بھی پردیس سے آئے اور فاتحہ میں شامل ہوئے۔

KitaabPoint.blogspot.com

میاں جانی کا وقت آیا تو کتنے کنبہ والے پاکستان کی طرف نکل گئے تھے۔ پھر بھی عزیز قریب کے کیا دور کے چڑیوں کی طرح اڑ گئے۔ ایک چھوٹے میاں جمے بیٹھے ہیں۔ ٹھیک نہ چھوڑنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ رہ گئے پیارے میاں تو وہ تو جائیداد کے کوڑے کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ ہندوؤں کا بھلا ہو کہ جائیداد کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ آج سودا ہو جائے تو دوسرے دن ہمارے یہ بھتیجے ریل پہ سوار ہو جاویں۔ بیٹے برامت مانیو' پاکستان والوں نے ہمارے بھرے گھر کو اجاڑ کے رکھ دیا۔ جگ جگ جاتے' مگر ہمیں اجاڑ کے تو نہ جاتے۔ پیارے میاں کو دیکھو۔ خود تو پاکستان جا کے گلچھرے اڑاویں گے۔ یاں کوشش یہ ہے کہ جائیداد اونے پونے ٹھکانے لگ جاوے اور چھوٹے میاں کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ ہووے۔

خیر ہم نے تو جیسے تیسے اپنے دن تیر کر لئے۔ ڈولی آئی کھڑی ہے۔ اللہ میری مٹی سار کرے۔ سب فکروں سے فارغ ہوں' سوائے اس فکر کے کہ میرے جنازے کو کاندھا کون دے گا۔ ہاں تھوڑی فکر میمونہ کی ہے۔ وہ میرے بعد کس کے گھٹنے سے لگ کے بیٹھے گی۔ اس کے ہاتھ پیلے کر دیئے ہوتے تو نچنت دینا سے جاتی۔ اب یہ فکر چھاتی پہ دھر کے لے جاؤں گی۔ خیر یہ تو قسمت کے معاملے ہیں۔ آدمی لاکھ جتن کرے کچھ نہیں ہوتا۔ جس کام کے لئے جو وقت مقرر ہے وہ کام اسی وقت ہووے ہے۔ چاہتی یہ تھی کہ ہڈی میں ہڈی اور پیوند میں پیوند مل جاوے۔ مگر خیر۔

اچھا بیٹا یہ رام کہانی سننے کے لئے تمہارے پاس کہاں وقت ہوگا۔ تھوڑے لکھے کو بہت سمجھو اور کسی طور کھڑی بھر کے لئے آ کر اپنی صورت دکھا جاؤ' میری دعائیں لے جاؤ دعا گو

تمہاری پھوپھی اماں

میں نے خط الٹ پلٹ کر دیکھا کہ آخر کب آیا تھا یہ خط اور میں نے اس کا جواب دیا بھی تھا یا نہیں۔ خط پر تاریخ ہی درج نہیں تھی۔ دوسرا خط کھولا کہ شاید اس سے کوئی سراغ ملے۔

منن' ارے بھئی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں کیسے مخاطب کروں۔ تمہیں بتا دو کہ کیا القاب استعمال کروں۔ پتہ نہیں مجھے یہ خط لکھنا بھی چاہیے تھا یا نہیں۔ مگر اماں کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ بیتاب ہو کر خط لکھنے بیٹھ گئی۔ اماں کا حال کیا پوچھو ہو۔ کمر بستر سے لگ گئی ہے۔ سہارے سے اٹھتی بیٹھتی ہیں۔ روتی رہتی ہیں۔ کہ سب پاکستان چلے گئے۔ جنازے کو کون کاندھا دے گا۔ آنسو ہیں کہ تھمنے میں نہیں آتے۔ سب سے بڑھ کر تمہیں یاد کرتی ہیں۔ کس حسرت سے کہتی ہیں۔ کہ بس ایک مرتبہ جواد کی صورت دیکھ لوں۔ پھر دم آرام سے نکلے گا۔ جواد' اماں میں اب کچھ نہیں رہا۔ بس سانس کی ڈوری چل رہی ہے۔ شیطان کے کان بہرے اور میرے منہ میں خاک' پتہ نہیں

KitaabPoint.blogspot.com

کس وقت ٹوٹ جائے۔

تو بس یہ بتانے ہی کے لئے خط لکھا تھا۔ آگے تمہیں اختیار ہے۔ وہاں جا کے تم ہم سب ہی کو بھول گئے۔ یقین نہیں آتا۔ کل رات ہی کی بات ہے۔ اماں کی طبیعت اک ذرا سنبھلی ہوئی تھی۔ تمہارا ذکر لے کر بیٹھ گئیں۔ کتنی دیر تک کرتی رہیں۔ کبھی بچپن کی کوئی شرارت، کبھی لڑکپن کی کسی دلگی کا ذکر۔ ہائے جواد تم بچپن میں اتنے نٹ کھٹ تھے۔ کچھ کچھ تو مجھے بھی یاد ہے۔ مجھے بھی تو بہت ستاتے تھے۔ خیر مجھے بھی غصہ آ جاتا تھا۔ جیسا کہ اماں بتاتی ہیں، بچپن میں، میں بہت جلے تن تھی۔ ذرا سی بات ہوئی اور اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ جاتی۔ آخر تمہیں ہی جھکنا پڑتا تھا۔ خیر اب ان باتوں کو کیا یاد کرنا۔ وہ زمانہ خواب ہو گیا۔ تم اتنی دور چلے گئے بقول اماں اللہ میاں کے پچھواڑے۔ اماں جب تمہاری باتیں کر رہی تھیں تو کبھی ہنستی تھیں کبھی رونے لگتی تھیں۔

ویسے اماں کا دکھ سمجھ میں آتا ہے۔ خون کا رشتہ اپنی جگہ مگر پالے کی محبت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اماں بتاتی ہیں ممانی کی زندگی میں بھی اماں ہی تمہیں گودوں میں رکھتی تھیں۔ انہیں سے تم ہلے ہوئے تھے۔ ان کی لوری کے بغیر سوتے بھی کہاں تھے۔ چھم چھم کرتی آئی ری چڑیا، میرے ننھے کا منگن لائی ری چڑیا۔ اماں نے کس چاؤ سے یہ لوری سنائی جیسے سچ مچ تمہیں سلا رہی ہیں۔ پھر منہ پہ آنچل رکھ کے رونے لگیں۔ میری بھی آنکھ بھر آئی۔ خیر.....

تو منن، ایک پھیرا لگا جاؤ۔ اماں کی حسرت پوری ہو جائے گی۔ ہمارا بھی مان رہ جائے گا نا۔ خوب مزہ رہے گا۔ سچی۔ آ رہے ہو نا؟

اچھا اللہ نگہبان۔

راقمہ۔۔۔۔۔۔۔ میمونہ

اور اس کے ساتھ ہی تیسری چھٹی برآمد ہو گئی۔ تاریخ اصل میں اس چٹھی میں درج تھی۔ برادر خورد جواد میاں

دور افتادوں کی دعا لو اور یہ خبر اندوہ اثر سنو کہ ہماری تمہاری پھوپھی اماں کل بروز جمعہ بوقت صبح صادق بتاریخ 12- ذی الحجہ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئیں۔ میاں جانی کے بعد ان کا سایہ ہم سب کے لئے غنیمت تھا۔ وہ سایہ اٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ رجعون۔ خیر موت برحق ہے۔ مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ بندے کا مقدور بس اس قدر ہے کہ رخصت ہونے والے کے لئے دعائے مغفرت کرے اور صبر کی سل سینہ پہ دھر لے۔

ہماری پھوپھی اماں ایک داغ سینہ پہ رکھ کر لے گئیں کہ پاکستان جانے والے اقارب کی دید نہ کر سکیں۔ تمہیں تو انہوں نے

KitaabPoint.blogspot.com

آخری دنوں میں خط بھی لکھا تھا۔ آخری وقت پر بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھی۔ تم نہ آئے تو ضرور کوئی مجبوری ہوگی۔

چونکہ اگلا مہینہ محرم الحرام کا ہے اس لئے طے پایا ہے کہ رسم چہلم اسی مہینے میں کر لی جائے۔ چنانچہ 27-ذی الحجہ کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔

تمہاری خیریت کا طالب

عاصی پر معاصی چھوٹے میاں

اب مجھے یاد آیا کہ یہ ان دنوں کے خط ہیں جب عشرت سے میرا عشق چل رہا تھا۔ اس وقت تو مجھے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ عشق کا جنوں سوار تھا۔ اٹھتے بیٹھتے عشرت کا خیال۔ کوئی دوسرا خیال آتا ہی نہیں تھا۔ ایسے عالم میں یہ خط ایک ایک کر کے موصول ہوئے۔ ان کا دل پہ کوئی اثر ہوا ہوتا تو جواب دیتا۔ اب جو احساس ہوا کہ پھوپھی اماں نے کس محبت سے خط لکھا تھا اور میمونہ نے کتنے مان سے کتنے محبت بھرے لفظوں میں پھیرا لگانے کی تاکید کی تھی تو میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ پہ ملامت کی۔ میں اس وقت اتنا بے حس' اتنا پتھر دل ہو گیا تھا۔ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ بار بار خیال آتا کہ پھوپھی اماں نے جواب نہ ملنے پر کیا سوچا ہوگا' کتنی انہیں اذیت ہوئی ہوگی۔ اور میمونہ' اسے کتنا ملال ہوا ہوگا۔ پھوپھی اماں تو اب منوں مٹی کے نیچے سوئی پڑی ہیں۔ ان کی بلا سے' میں پشیمان ہوں یا نہیں ہوں۔ مگر میمونہ۔ اور میرے اندر ایک لہر اٹھی کہ فوراً ویزے کی تدبیر کرو اور وہاں جا کے میمونہ سے معافی مانگو۔

''صاحب مجو میاں تو ابھی تک نہیں آئے۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' نعمت خاں کہہ رہا تھا۔ وہ اتنی خاموشی سے آیا یا میں خیالوں میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ اس کے کمرے میں داخل ہونے کا مجھے پتہ ہی نہ چلا۔

''ارے ہاں نعمت خاں' میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا۔ مجو میاں تو آج نہیں آئیں گے۔ روٹیاں تو ابھی نہیں پکائی ہیں۔''

''نہیں۔ اب پکانے لگا ہوں۔ مگر مجو میاں کیوں نہیں آئیں گے۔''

''ادھر وہ میرٹھ والوں کی طرف گئے تھے۔ وہاں آج کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ان کے جاتے ہی کرفیو لگ گیا۔ کیسے آ سکتے ہیں۔''

''صاحب جی' حالات خراب ہیں۔''

''ہاں حالات خراب ہیں۔''

''جی اللہ رحم کرے۔'' نعمت خاں بڑبڑایا۔

پھر بولا ''پھر آپ کھانا کھا لیں۔ روٹی پکانے لگا ہوں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

"ابھی ذرا ٹھہر جاؤ۔"

نعمت خان پر اس جواب کا اثر خوشگوار نہیں ہوا۔ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ میں پھر اسی خیال میں گم تھا۔ پہلی بار مجھے اپنے عشق پر غصہ آیا۔ عشق اپنی جگہ۔ مگر آدمی کو اتنا باولا تو نہیں بننا چاہیے کہ باقی رشتوں کا کوئی احساس ہی نہ رہے۔ اور پھوپھی اماں تو میری پھوپھی کم اور ماں زیادہ تھیں۔ میمونہ نے ٹھیک کہا۔ امی کے ہوتے ہوئے بھی میں پھوپھی اماں ہی سے چپکا رہتا تھا۔ ان کی آنکھ بند ہونے کے بعد تو پھر پھوپھی اماں پھوپھی اماں بھی تھیں اور ماں بھی تھیں۔ پھوپھی اماں نے کیا سوچا ہوگا۔ اور میمونہ کیا سوچتی ہوگی۔ پھر اندر وہی لہر اٹھی۔ وہاں جانا چاہیے اور جا کر..... مگر اس وقت نہیں گئے تو اب جا کر کیا لو گے۔ میں نے جب تصور کیا کہ میمونہ مجھے کن نظروں سے دیکھے گی اور چھوٹے میاں کس سرد مہری سے پیش آئیں گے تو دل بیٹھ گیا اور جانے کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ مگر خیالوں نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ پشیمانی کا جیسے دورہ پڑ گیا ہو۔ لہر دب کر پھر ابھر آئی۔ مجھے جانا چاہیے۔ ایک جھرجھری سی آئی۔ ضرور جانا چاہیے۔ اس طرح شاید چند دنوں کے لئے تنہائی کا مداوا بھی ہو جائے۔ شاید پھر تازہ دم ہو جاؤں۔ مگر..... اور پھر مجھے میمونہ کی متوقع سرد مہری اور چھوٹے میاں کے زہر بھرے فقروں اور بڑی بھابی کے طعنوں کا خیال آیا اور پھر جیسے مجھ پہ اوس پڑ گئی ہو۔ پھر بھی' میں نے اپنی ہمت بندھاتے ہوئے سوچا۔

ان تین خطوں نے میرے ساتھ عجب کیا۔ وہ جو میرے اندر ایک پتھری سی بن گئی تھی اور پھیلتی جا رہی تھی وہ جیسے پگھل رہی ہو اور حافظہ واپس آ رہا ہو۔ سچی بات ہے مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ جیسے حافظہ کی جگہ طاق نسیان نے لے لی ہو۔ اب نقشہ ہی اور تھا۔ جیسے یادوں کا قافلہ طاق نسیان کو توڑ کر نکل پڑا ہو اور حافظہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہو۔ کتنی دفعہ گمان ہوا کہ مجھے سب کچھ یاد آ گیا ہے' مگر جب یاد کرنے بیٹھا تو ان دنوں کی زندگی کے کچھ انمل بے جوڑ ٹکڑے حافظہ میں ابھرے اور وہ بھی دھندلے دھندلے۔ یادوں کا ایک سیلاب تھا کہ اندر امنڈ رہا تھا پیچ و تاب کھا رہا تھا' مگر ابھی بہہ نکلنے کی راہ نہیں مل رہی تھی۔ سارا وجود جنبش میں تھا۔ اور پھر وہی دبدا کہ جاؤں۔ جانے میں وہی اندیشہ کہ کہیں سرد مہری سے سابقہ نہ پڑے۔ پھوپھی اماں اب تھوڑے ہی ہیں کہ ساری باتوں کو بھول کر بے اختیار گلے سے لگا لیں۔ میں انہیں بھول سکتا ہوں تو ان کے لئے بھی مجھے یاد رکھنا کیا ضروری ہے۔ اور میمونہ۔ وہ بیشک نہ بھولی ہو مگر معاف کیسے کرے گی۔ اصل میمونہ کی سرد مہری کا تصور ہی مجھے جانے کے خیال سے زیادہ روک رہا تھا اور پریشان کر رہا تھا۔ اب تک بڑی بھابی کے کولھے سے لگی بیٹھی ہو' یہ کیسے ممکن ہے۔ غرض سو طرح کے خیال اور اندیشے ستا رہے تھے۔ اور پھر جانے

KitaabPoint.blogspot.com

کے خیال سے اب باز بھی نہیں آ سکتا تھا۔ ایک خواہش اچانک بیدار ہوگئی تھی۔ اسے سلانا مشکل نظر آ رہا تھا۔ واپس آتی ہوئی یادیں اس خواہش کو غذا فراہم کر رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا۔ کہیں یہ سب عمر کا چکر تو نہیں ہے۔ اس خیال نے مجھے بہت اداس کیا۔

''یار ان دنوں تم زیادہ ہی کھوئے ہوئے دکھائی دے رہے ہو۔'' مجو بھائی نے کہا۔ مجو بھائی نے میرے دل کا چور بہت جلدی پکڑ لیا۔ میں نے ہاں کر کے ٹالنا چاہا۔ مگر واقعہ یوں ہے کہ اب مجھ سے بھی ضبط نہیں ہو رہا تھا۔

''مجو بھائی۔'' دیر بعد میں نے بات کرنے کے لئے زبان کھولی۔ ''میں سوچتا ہوں.....۔''

''کیا۔'' مجو بھائی نے غور سے مجھے دیکھا سوالیہ نظروں کے ساتھ ''کیا سوچتے ہو بھائی؟''

''میں سوچتا ہوں کہ واقعی بوڑھا ہو گیا ہوں۔''

مجو بھائی نے قہقہہ لگایا۔ ''تمہیں کیسے یہ عرفان ہوا؟''

''مجھے بھولی بسری باتیں یاد آنے لگی ہیں۔ بھولے بسرے دن' بھولے بسرے لوگ۔''

''اچھا۔ اماں یہ کب سے۔''

''اس رات جب آپ توصیف کی طرف رک گئے تھے۔ تو پتہ ہے میرے ساتھ کیا ہوا۔''

''کیا؟''

''آپ کو تو ادھر مشاعرے اور کرفیو نے پکڑ لیا۔ میں نے سوچا کہ چلو آج وقت ملا ہے نئی کتاب جو ہاتھ پڑی ہے اسے پڑھ ڈالیں۔ کتابیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ کہ کاغذوں میں سے کچھ خط نکل آئے۔ یہ خط میرے دھیان ہی میں نہیں تھے۔ کب آئے تھے۔ میں نے ان کا جواب دیا تھا۔ نہیں دیا تھا۔''

''خط۔ اچھا؟ کس کے۔''

''ایک ہماری پھوپھی اماں کا خط تھا۔ لگتا ہے کہ آخری دنوں میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد کا جو خط ہے وہ ان کی بیماری کے بارے میں ہے تیسرے میں انتقال کی اطلاع ہے۔''

''کب آئے تھے یہ خط؟''

''یہی تو یاد نہیں آ رہا۔ اور کمال ہے کہ پہلے دونوں میں سے کسی خط پر تاریخ درج نہیں ہے۔''

KitaabPoint.blogspot.com

"بھلے آدمی، تمہیں اپنی پھوپھی اماں کے مرنے جینے کی خبر نہیں۔"

"یہی احساس تو مجھے کھائے جا رہا ہے۔" چپ ہوا، سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر بولا بس اس وقت سے جیسے یادوں کا تانتا لگ گیا ہو۔ کب کب کی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ مگر پھر کوئی بات پوری طرح یاد بھی نہیں آتی۔ جیسے حافظہ یادوں کو سمیٹنے سے عاری ہو۔ بس یوں سمجھو کہ میں حافظہ اور فراموشی کے درمیان لٹکا ہوا ہوں۔ یہ بڑی تکلیف دہ صورت حال ہے۔"

"اس کا ایک ہی علاج ہے۔"

"کیا؟"

"شادی کر لو۔"

"مجو بھائی، میں نے آپ سے اپنی تکلیف بیان کی ہے۔ آپ حسب معمول دلگی پہ اتر آئے۔ کبھی تو کسی کی بات سنجیدگی سے سن لیا کرو۔"

"میں سنجیدہ ہوں اور تمہارے سارے احوال کو جانتا ہوں۔ اس کے بعد یہ بات میں نے کہی ہے۔ پیارے، شادی کر لو۔"

"میری عمر دیکھ رہے ہو۔"

"کیوں، تمہاری عمر کو کیا ہوا۔ اے چونگھٹ، یہی عمر تو شادی کرنے کی ہے۔ جس عمر میں تم نے شادی کی تھی وہ عمر کوئی شادی کرنے کی تھی۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔"

"کیا تھا۔"

"اس وقت تم نے میری بات نہیں مانی۔ پھر پچھتائے۔ اب نہیں مانو گے، پھر پچھتاؤ گے۔ میاں جوانی میں تنہائی کچھ نہیں کہتی۔ اس نے اب عمر ڈھلنے کے ساتھ کاٹنا شروع کیا ہے۔ اور ابھی تو آغاز ہے۔ آگے آگے دیکھنا۔ سو میرا مشورہ مان لو۔ عافیت اسی میں ہے۔"

"اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"اپنے بارے میں۔" مجو بھائی نے زبردست قہقہہ لگایا، "استاذ میں نے تو شروع ہی میں یہ بات دماغ سے نکال دی تھی۔ یہ بٹنا پالنے کی کبھی سوچی ہی نہیں۔ سو میں عافیت میں ہوں۔ تنہائی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور تم میرے شغل اشغال دیکھتے ہو۔ مگر جو شخص ایک دفعہ ازدواجی زندگی کا مزہ چکھ چکا ہو اور سوئے اتفاق سے ایک عدد اولاد کا بھی باپ ہوا سے تنہائی بہت دکھ دیتی ہے۔ ارے نیک

KitaabPoint.blogspot.com

بخت بیٹے ہی کو اپنے ساتھ رکھا ہوتا۔ اس وقت اس شادی کر دی ہوتی۔ اس کے اولاد ہوتی۔ پوتے پوتیوں میں تنہائی آئی گئی ہو جاتی۔ ہاں کیا حال ہے ارشاد کا۔ کوئی خط وط آیا۔ واپس آنے کی نیت ہے یا نہیں ہے۔"

"یہاں آ کر ان حالات میں وہ کیا کرے گا۔ ادھر خوش ہے۔ میں بھی اس سے واپس آنے کی بات نہیں کرتا۔"

"اور شادی؟ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"اس بارے میں فی الحال نہ اسے کوئی پریشانی ہے اور نہ مجھے۔"

مجو بھائی ہنسے۔ بولے "آج پریشانی نہیں ہے۔ مگر کل یہ پریشانی پیدا ہو سکتی ہے۔ کل کلاں کو اس نے کسی میم سے شادی رچالی تو پھر کیا کرو گے۔ ویسے اگر اسے وہیں رہنا ہے تو اس کے لئے کسی گرین کارڈ والی کا بندوبست کیا جائے۔ کراچی میں ایسی آسامیاں موجود ہیں۔ میری نظر میں ہیں۔ کہو تو کہیں ڈول ڈالوں۔"

تعمت چائے بنا کر لے آیا تھا۔ مجو بھائی کے لئے بنائی۔ پھر اپنے لئے ایک گھونٹ کے ساتھ میں کہیں سی کہیں نکل گیا۔ ادھر مجو بھائی نے بھی اپنا سگریٹ سلگا لیا تھا۔

"مجو بھائی" چائے پیتے پیتے مجھے عجیب سا خیال آیا۔ "یہ جو تمہارے لوگ ہیں۔ تمہارے ساتھ میں بھی اب ان سے مل جل رہا ہوں۔ پتہ نہیں کیوں۔ پہلے تو نہ مجھے ان سے ملنے کی کبھی تمنا ہوئی تھی نہ تم نے مجھے اس راہ پر لگانے کی کوشش کی تھی۔ اب جو تم مجھے لئے لئے پھرتے ہو تو اس میں کوئی حکمت ہو گی۔ خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ....." جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے۔

"وہی بات کہو گے کہ یہ ویسے نظر نہیں آتے۔ یار باتوں کو دھرایا مت کرو۔ اس سے مجھے لگتا ہے کہ تم واقعی بوڑھے ہو گئے ہو۔"

"شاید دھرا ہی رہا ہوں۔ یار مجھے لگتا ہے۔ کہ جیسے ان میں کوئی چیز کم ہو گئی ہو۔"

مجو بھائی ہنسے "کوئی چیز کی بات کرتے ہو۔ استاد یہ تو پورے کے پورے کم ہو گئے ہیں۔ ان کی تو کلپ ہو چکی ہے۔ اب یہ نخالص کراچی والے ہیں۔"

"اور یہ جو ہمارا لکھنو ہماری دلی کرتے رہتے ہیں۔"

"سب فراڈ۔ مگر خیر انہیں معاف کر دو۔ یہ فراڈ ان کی مجبوری ہے۔"

"اس لئے کہ کراچی میں رہنے کے لئے آدمی کو کوئی نہ کوئی فراڈ کرنا پڑتا ہے۔"

"پھر تو بڑی مشکل ہے۔ آدمی ان سے بچ کر کہاں جائے۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''بھئی تمہارے لئے کیا مشکل ہے۔تم پہلے بھی خفقانی تھے۔آدمیوں سے بھاگتے تھے۔اب تم نے ایک نیا طوطا پال لیا۔'' مجو بھائی رکے۔پھر بولے میاں جواد میں تمہیں دیکھ کے بہت حیران ہوتا ہوں تم کیا شئے ہو۔اب تم نے یادوں کا جھمیلا اپنے ساتھ لگا لیا۔ آخر کیوں؟

میں ہنس دیا۔''مجو بھائی' میری بھی تو مجبوری ہے۔کراچی میں رہنے کے لئے مجھے بھی تو کسی فراڈ کی ضروت تھی۔''

مجو بھائی نے قہقہہ لگایا۔''یار آج تم نے مجھے لاجواب کر دیا۔مان گئے۔''

''مگر ایک بڑی مشکل ہے۔''

''کیا؟''

''پہلے تو مجھے یوں لگتا ہے کہ مجھے بہت کچھ یاد ہے۔جب یاد کرنے کے لئے بیٹھتا ہوں تو یادیں جیسے حافظہ سے پھسلتی چلی جارہی ہوں۔یا شاید میرا وہم ہوتا ہے اب مجھے کچھ یاد بھی نہیں ہے۔میں خالی ہوں..... بالکل خالی۔''

''یار تم نے ایک لاکھ روپے کی بات کہہ دی تھی' مگر پھر اپنی فضولیات پہ اتر آئے۔چلو اٹھو تمہیں کہیں اچھی چائے پلواتے ہیں۔''

''اچھی سی چائے' وہ کہاں پلواؤ گے۔''

''اب یہ تم پر موقوف ہے کہ تم کون سے برانڈ والی چائے پینا چاہتے ہو۔لکھنو والی' دلی والی' میرٹھ والی۔ہر ایک کا اپنا ذائقہ ہے۔''

''ان میں سے تو کوئی بھی منظور نہیں ہے۔اگر چلنا ہی ہے تو وہ جو تمہارے شکار پور والے ہیں ان کی طرف چلیں۔''

''اچھا اچھا'' مجو بھائی ہنسے''کہاں جا کر تمہارا پانی مرا ہے۔ارے یار وہ شکار پوریے ہیں۔ویسے میں نے اسی وقت بھانپ لیا تھا کہ چچا کربلائی تمہیں ہٹ کر گئے ہیں۔''

''مجو بھائی' یہ جو آپ کا دلی لکھنو میرٹھ امروہے کا کراؤڈ ہے ان کا مقابلہ میں تو شکار پوریے کربلائی صاحب ہی غنیمت ہیں۔ان میں سچائی کی ایک رمق نظر آتی ہے۔''

''بس تھوڑے سال گزر جانے دو۔تم بھی بالکل چچا کربلائی بن جاؤ گے۔استاد اسی طرف جارہے ہو۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''چلو خیر کوئی بات نہیں۔جو تمہاری مرضی وہ ہماری مرضی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

اور وہاں پہنچ کر مجو بھائی نے پہلی بات یہی کہی ''چچا' یہ ہمارے دوست جواد آپ کے بہت گرویدہ ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا چلو تمہیں ان سے ملا کر لاتا ہوں۔''

کربلائی صاحب بہت خوش ہوئے۔ بولے ''میاں ہم سے مل کر کوئی کیا لے گا۔ تھوڑی ٹوٹی پھوٹی یادیں لئے بیٹھے ہیں۔ چراغ سحری ہیں۔ جب تک قضا کے فرشتے کو دھیان نہیں آتا ٹمٹما رہے ہیں۔ جس روز اس نے ایک پھونک ماردی بس پھر چراغ کو بجھا سمجھو۔'' پھر فوراً یہ لہجہ بدلا۔ ''اچھا تو تم جواد حسن ہو۔''

''جی۔''

''تم اس روز بتا رہے تھے کہ میرٹھ کے ہو۔''

''ہاں میرٹھ سے تعلق رہا ہے۔''

''ایک ہی بات ہے۔ میاں میں نے میرٹھ دیکھا ہے۔ سرکاری نوکری میں یہی فائدہ ہے۔ تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ آدمی مختلف شہر دیکھ لیتا ہے۔ تو میرا میرٹھ کے گورنمنٹ ہائی سکول میں تبادلہ ہو گیا تھا۔ وہاں میں نے تین سال پڑھایا ہے۔ میاں جواد بھلا سا تھیٹر تھا قتل تمیزن' وہ تم نے دیکھا تھا۔''

''شہرت سنی تھی۔ دیکھا نہیں۔''

''ظاہر ہے کہ تم نے تمیزن کو بھی نہیں دیکھا ہو گا۔''

''جی نہیں۔''

''میاں پھر تم نے میرٹھ میں کیا دیکھا۔ تمیزن بہت بانکی عورت تھی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ چھپن چھری تو وہ تھی۔ خود بعد میں قتل ہوئی۔ پہلے اس نے بہتوں کو قتل کیا۔ میاں میں نے وہ کوٹھا اپنی آنکھ سے دیکھا جہاں وہ قتل ہوئی تھی۔ اوپر نہیں گیا۔''

''چچا اگر اوپر بھی چلے گئے تو کیا ہو گیا۔''

''نا بھائی نا۔ ہم نے اپنے ایمان میں کبھی خلل نہیں آنے دیا۔ بس گزرتے گزرتے ایک دوست نے بتایا کہ یہ جو سامنے کوٹھا نظر آ رہا ہے یہاں رہا کرتی تھی تمیزن۔ البتہ بوم ہا پوڑی کو میں نے خوب دیکھا ہے۔ لاریوں کے اڈے پہ کھڑے اپنا کلام کس مزے سے آواز لگا کر بیچتے تھے۔ بوم کا نیا کلام چار آنے میں چماری نامہ دو آنے میں۔ اور کچھ نہیں تو بھلے آدمی نے چماری نامہ لکھ ڈالا۔ بھئی اگر تحصیلدار کا چماری پہ دل آ گیا تھا تو تمہیں کیا۔ یہ قصے تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ میم ہو یا چماری' عورت تو عورت ہوتی ہے۔ ویسے میاں

KitaabPoint.blogspot.com

جواد حسن تمہارے میرٹھ کی نوچندی کا جواب نہیں تھا۔"

"ہاں نوچندی میں بہت رونق ہوتی تھی۔"

"میاں رونق سی رونق۔ علی گڑھ کی نمائش کا تو نام ہی نام تھا۔ بلکہ وہاں کے ایک شعر نے یہ ڈینگ بھی ہانکی تھی کہ ..... کیا وہ شعر تھا..... ہاں سجاوٹ میں بناوٹ میں لگاوٹ میں دکھاوٹ میں علی گڑھ کی نمائش ہند بھر میں سب سے بہتر ہے بالکل غلط۔ اس نمائش میں یہ بھی نہیں تھا۔ مگر میرٹھ کی نوچندی۔ وہاں کیا نہیں تھا' سبحان اللہ' ایک پھیرا لگا لو تو آنکھوں میں نور دل میں سرور۔" ایسے بڑبڑا رہے تھے جیسے سچ مچ نوچندی میں گھوم رہے ہیں۔ رکے۔ پھر بولے "میاں جواد حسن' رونق اپنے شکار پور میں بھی کم نہیں تھی۔ پنیٹھ وہاں کیا لگتی تھی۔ کہ آس پاس کے گاؤں سے ایک خلقت ڈھلتی تھی۔ اور محرم میں' ان دنوں تو رونق ہی اور طرح کی ہوتی تھی۔ میاں جھوٹ مت جاننا' امام کی سواری آتی تھی۔ ان دس دنوں میں وہیں قیام رہتا تھا۔ لو اس پہ یاد آیا۔ رات میں نے خواب دیکھا جیسے میں.....

"پھر کوئی خواب دیکھ لیا۔" سیدانی چچی نے بیچ میں ٹوک دیا۔ وہ بھی اس گفتگو بیچ اپنے کام سے فارغ ہو آن موجود ہوئی تھیں اور پاندان کھول لیا تھا۔ کربلائی صاحب کی روانی میں کھنڈت ڈال دی۔ غصے سے بولیں "پھر وہی تختہ لوٹا شکار پور خواب میں آ گیا ہوگا۔ اے مجو بھیا' انہیں سمجھاؤ۔ کب تک اس توست مارے شہر کی مالا جپیں گے۔"

ایک دریا بہہ رہا تھا کہ رک گیا۔ چچا کربلائی نے کس معصومیت اور بیچارگی سے سیدانی چچی کو دیکھا اور چپ ہو گئے۔ اب سیدانی چچی کے بولنے کی باری تھی۔ ان کی اپنی دلچسپیاں تھیں۔ چھوٹتے ہی سوال داغا "اے مجو بھائی' اس ڈوبے رشتے کا کیا بنا۔ لکھنو والوں نے جواب دے دیا یا ابھی بات چل رہی ہے۔"

"بس لٹکی ہوئی ہے۔ میں نے دونوں کو سمجھایا تو ہے۔ دونوں کو کیا اصل میں تو لکھنو والے ہتھے سے اکھڑے ہوئے تھے۔ انہیں راہ پہ لانا تھا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ آپ لوگ ہوش کی دوا لیں۔ ایسا اچھا لڑکا آپ کو کہاں ملے گا۔ اور جنہوں نے آپ کو بھڑکایا ہے وہ خود اس مار میں ہیں۔ کہ ادھر سے رشتہ ٹوٹے تو وہ اپنی بیٹی کے لئے اسے اچک لیں۔"

"اے سچ کہو ہو۔"

"سچ۔ اصل قصہ تو یہی ہے۔ آپ تو جانتی ہیں کہ جہاں کسی لڑکی کی بات چلی لوگ کس طرح اس میں بھانجی مارتے ہیں۔"

"لوگوں کی کیا پوچھو ہو۔ کان میں ان کے بھنک پڑ جائے بس پھر ٹوہ میں لگ جاتے ہیں۔ پشتوں پہلے کی ایسی بات نکال کے

KitaabPoint.blogspot.com

لاتے ہیں کہ رشتہ نہ ٹوٹتا ہو تو ٹوٹ جاوے۔"

"یہی تو میں نے سمجھایا۔ میں نے کہا کہ جن لوگوں نے ان کے سید نہ ہونے کا شوشہ چھوڑ دیا وہ کون لوگ ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو کچھ ان کے متعلق اتا پتہ ہے۔ رہی شجرہ نصب کی بات' تو یہ تو سوچو کہ جس قیامت میں ہم لوگ اپنے گھروں سے نکلے ہیں اس میں شجرۂ نسب کا کسے ہوش تھا۔ جان بچا کر لے آئے' یہ کم کمال کی بات ہے۔"

"پھر کیا بولیں۔"

"اس وقت ان کا خدا سیدھا تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ بس میری کوشش یہ ہے کہ جلدی سے نکاح ہو جائے۔"

"یہی میں کہوں ہوں کہ اس کام میں دیر نہیں چاہیے۔ ذرا ڈھیل ڈالو' پھر سو طرح کی باتیں نکلتی چلی آتی ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ جس روز اچھا رشتہ مل گیا بس اس روز کھڑے کھڑے نکاح کے دو بول پڑھوا کے رخصت کر دوں گی۔"

"وہ جو سری والوں کے یہاں بات چل رہی تھی اس کا کیا ہوا۔"

"اے بھیا وہ تو چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ چھ بہنیں' تین بھیئے' اور ان کی اولاد' چینگا پوٹی۔ اور پھر نوکری بھی خشک پروفیسری۔ اماں جان کہنے لگیں کہ میرا پوت کتابیں لکھتا ہے۔ اے میں نے کہا کہ بیاہ کوئی کتابوں سے تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ آج کل تو چھوٹی چھوٹی نوکریوں والے اتنا کما رہے ہیں کہ لاکھوں میں کھیلتے ہیں۔"

"ہاں کمانے کی مدیں آج کل بہت نکل آئی ہیں۔"

"بھیا' ایک تو میں یہ سنتے سنتے تھک گئی کہ لڑکا ایم اے ہے۔ ارے ایم اے' بی اے کو کیا کریں۔ کمانے کھٹانے والا بھی تو ہو۔ اب اللہ رکھے ہمارا بھانج داماد ہے۔ انٹرنس پاس کیا تھا۔ ماں باپ نے اسے پولیس میں کانسٹیبل بھرتی کرا دیا تھا۔ سمجھدار' افسروں کی ایسی خدمت کی کہ انہوں نے اسے تھانیدار لگا دیا۔ اس نے مکان ایسا بنایا ہے۔ کہ پورا محل ہے۔ ڈیوڑھی میں دو دو موٹریں کھڑی ہیں۔ اس کے نام جو پلاٹ ہیں وہ الگ ہیں۔ بس میں تو کوئی ایسا چاہوں ہوں۔ تمہاری نظر میں کوئی ایسا نہیں ہے۔"

"چچی' کیا بتاؤں' جو نوجوان میری نظر میں ہیں کمبخت سب پڑھے لکھے ہیں۔ اور پڑھے چلے جا رہے ہیں۔ تھمنے ہی میں نہیں آتے۔ جسے دیکھو ریسرچ کے خبط میں مبتلا ہے۔ لکھنو والوں کے جو صاحبزادے ہیں ان سے تو میں نے کہہ دیا کہ صاحبزادے' اگر سب نوجوان تمہاری طرح افلاطون بن جائیں تو پاکستان کا کام کیسے چلے گا۔ کہنے لگا کہ مجو بھائی' پاکستان کو تو ویسے بھی پڑھے لکھے آدمی کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ میں تو بس اپنی لگن میں پڑھ رہا ہوں۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''اب مجو بھیا تم ہی بتاؤ ایسے خبطیوں کو اپنی بیٹی کون دے۔ آنکھوں دیکھتے تو اپنی جنی کو جہنم میں نہیں دھکیلا جاتا۔''

اندر ہی اندر میں کتنا بے چین ہو رہا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ خواہش تو یہی تھی کہ سیدانی چچی خاموش ہو جائیں اور چچا کربلائی پھر شروع ہو جائیں وہیں سے جہاں سے ان کی بات کاٹی گئی تھی۔ بات ان کی کاٹی گئی عین اس مقام پر جب وہ اپنا خواب بیان کرنے لگے تھے۔ پتہ نہیں وہ کیا خواب تھا۔ سیدانی چچی بولے چلی جا رہی تھیں اور خواب کے متعلق میرا تجسس بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ تو جب سیدانی چچی نے تھوڑا دم لیا اور پاندان کی طرف توجہ کی تو میں نے اس وقفہ کو غنیمت جانا اور گیند چچا کربلائی کی طرف لڑھکا دی۔

''قبلہ آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''ہاں چچا آپ بھی تو کچھ بولیں۔'' شاید مجو بھائی بھی سیدانی چچی کے خیالات سے سیر ہو چکے تھے اور منہ کا مزہ بدلنا چاہتے تھے

''آپ کچھ بول ہی نہیں رہے۔''

''ارے بھائی، ہم کیا بولیں۔'' اور پھر چپ، جیسے خواب بیان کرنے کی جو انہوں نے تمہید باندھی تھی اس میں کھنڈت پڑ جانے کے بعد سے ان کی سمجھ میں نہ آ رہا کہ اور کیا بات کی جائے۔ ادھر وہ یہ توقع لئے بیٹھا تھا کہ چچا کربلائی موقع پا کر پھر اپنا خواب بیان کریں گے۔ اس کی توقع سیدانی چچی کے یہاں اندیشہ بن کر ابھری۔ انہوں نے خطرے کو بھانپ کر پھر ٹوک دیا۔ ''ہاں وہ کیا بولیں گے۔ یہی تو رونا ہے کہ گھر میں کچھ ہوتا رہے وہ کچھ بولتے ہی نہیں۔ گھر سے دلچسپی ہو تو کچھ دیکھیں، کچھ سوچیں، کچھ بولیں۔ ہر پھر کے وہی خواب کا قصہ اور ہر خواب میں اسی تحوست مارے شکار پور کی رام کہانی۔''

''چچا ایک بات میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔'' مجو بھائی نے ٹکڑا لگایا ''یہ آپ کے خواب کا لینڈ سکیپ کیوں نہیں بدلتا۔ ارے نہ سہی کراچی، مگر آپ تو کربلا بھی جا چکے ہیں۔ وہ لینڈ سکیپ میرا مطلب۔ یہ ہے کہ کربلا کو آپ کبھی خواب میں نہیں دیکھتے۔''

''میاں وہ آخری خواب ہوگا۔'' اور یہ کہتے کہتے چچا کربلائی میری طرف متوجہ ہوئے ''میاں جواد حسن، تم کربلا گئے ہو۔''

''جی نہیں۔ ابھی تک تو یہ شرف حاصل ہوا نہیں ہے۔''

''اچھا؟'' یہ تو افسوس کی بات ہے۔ آدمی کو ایک مرتبہ کربلا ضرور جانا چاہیے۔ بس ایک ہی پھیرے میں آدمی کے سارے دلدر دور ہو جاتے ہیں۔'' رکے۔ پھر سوچ کر بولے ''میاں، ہم سے ایک چوک ہوئی۔'' مجو بھائی بولے۔

''کیا پوچھتے ہو مجو میاں، اب یہ دیکھو کہ کربلا تو کوئی قسمت والا ہی پہنچتا ہے۔ جسے مولا یاد کریں گے وہی پہنچے گا۔ تو میرا بلاوا آیا میں پہنچ گیا۔ مگر میں واپس کیوں آیا۔ اب پچھتاتا ہوں۔ بہت بڑی غلطی ہو گئی۔'' ٹھنڈا سانس بھرا ''زندگی میں ٹھوکریں لکھی تھیں۔

KitaabPoint.blogspot.com

مرتے گرتے یہاں آئے۔ کراچی میں خراب ہو رہے ہیں۔ اولاد امریکہ میں ہم کراچی میں' دل شکار پور میں' روح کربلا میں۔ بس دبدا میں ہوں۔ مجو میاں۔"

"جی۔"

"سچ سچ بتاؤں میں واقعی دبدا میں ہوں۔ بس شکار پور اور کربلا کے درمیان لٹکا ہوا ہوں۔ مٹی اپنی طرف کھینچتی ہے' ایمان اپنی طرف۔ روح کہتی ہے کہ اس اجڑی بستی میں کیا رکھا ہے' ادھر تو جنت کی کھڑکی کھلی ہے۔ تو ایک طرف مٹی' دوسری طرف جنت کی کھڑکی' سخت مشکل میں ہوں۔" کربلائی صاحب چپ ہو گئے۔ اور ایسے چپ ہوئے کہ پھر سیدانی چچی ہی بولتی رہیں' وہ نہیں بولے۔ پتہ نہیں اپنے خیالوں میں غلطاں وہ کس سفر پہ نکل گئے' کربلا کے سفر پہ یا شکار پور کے سفر پہ۔

اسی رات میں نے باتوں باتوں میں مجو بھائی سے دل کی بات کہہ دی۔ "مجو بھائی' سوچ رہا ہوں کہ ادھر کا ایک پھیرا لگا آؤں۔"

"اچھا۔" مجو بھائی نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ "اتنے زمانے بعد پھیرا لگانے کا خیال آیا ہے۔ ہو گیا نا کربلائی صاحب کا اثر تم پہ۔"

"کربلائی صاحب کا یہ اثر نہیں ہے۔ اصل میں ان خطوں نے میرے اندر ایک احساس جرم پیدا کر دیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ....."

آگے مجھ سے کہا نہیں گیا۔ مجو بھائی نے فقرہ پورا کرنے کے لئے زیادہ وقت بھی نہیں دیا۔ بولے "یار' تمہارا معذرتی لہجہ کیوں ہے۔ اس میں ایسی بری بات کیا ہے۔ عزیزوں سے ملنے جا رہے ہو۔ ضرور جاؤ۔" رکے۔ پھر بولے کچھ بڑبڑاتے ہوئے "زمین بڑی کمبخت چیز ہے۔ جب تک اسکا خیال نہ آئے اس وقت تک خیریت ہے۔ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عمریں گزار دیتے ہیں۔ اس کے خیال کو قریب پھٹکنے ہی نہیں دیتے۔ لیکن اگر ایک مرتبہ اس کا خیال نہیں آیا۔ ادھر کوئی عزیز قریب' کوئی دوست..... کوئی....."

"کوئی محبوبہ' یہی کہنا چاہتے ہو نہیں۔"

"خوش قسمت آدمی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔ بہر حال میں اس طرح سوچتا ہوں کہ جس طرح اس کوچے سے ہم نکلے تھے اس کے بعد ادھر کا رخ کریں۔ نہیں ہر گز نہیں۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''بہت غیرت مند ہو۔'' میں ہنس دیا۔

''میں تو اسی طرح سوچتا ہوں۔ ویسے میں تمہیں نہیں روک رہا۔ تم نے جو اپنے اندر بیٹھے بٹھائے ایک احساس جرم پیدا کر لیا ہے اس کا علاج تو یہی ہے۔''

''ابھی تو سوچ رہا ہوں۔ وہاں جانا اتنا آسان تو نہیں ہے۔''

''مشکل کیا ہے۔''

''پہلی مشکل تو ویزا ہی کی ہے۔''

''وہ مجھ پہ چھوڑ دو۔ آگے چلو۔''

''میں لاجواب ہو گیا۔ اور مجھے اس وقت احساس ہوا کہ اب میرے لئے اس سفر سے کوئی مفر نہیں ہے۔ میں نہ بھی چاہوں تو مجو بھائی ادھر دھکیل دیں گے۔''

میں نے اچانک محسوس کیا کہ گاڑی کی رفتار میں فرق آ گیا ہے اور سیٹی کی آواز میں ایک اضطراری کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ یوں تو یکسانیت تھی۔ رفتار تیز تھی مگر اس میں عجلت کا عنصر شامل نظر نہیں آتا تھا۔ بس تیز چل رہی تھی اور بیچ بیچ میں سیٹی کی آواز بلند ہوتی جو رات کے سناٹے میں دور تک مار کرتی نظر آتی۔ مگر اب یوں محسوس ہوا کہ گاڑی عجلت میں ہے۔ اور جلدی سے کسی منزل پر پہنچنا چاہتی ہے۔ ابھی میں اپنی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک مسافر سوتے سوتے چونکا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا گھڑی دیکھی اور بولا ''ویاس پور آ رہا ہے۔'' اس کے مختصر فقرے نے عجب اثر کیا کہ کتنے ہی سناٹے خراٹے لیتے مسافر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ''ویاس پور آ گیا؟''

''ہاں بس آنے والا ہے۔''

جو خود نہیں اٹھے ان کے ساتھ والوں نے جھنجھوڑ کر جگایا۔ ''اٹھو۔ ویاس پور آ گیا۔''

''ویاس پور آ گیا؟'' اور اچانک جاگنے والوں نے جلدی جلدی بستر لپیٹنا شروع کر دیا۔

پورے ڈبے میں ایک کھلبلی تھی۔ ویاس پور آ گیا' ویاس پور آ گیا۔ خود میرے اندر کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ تو ویاس پور آ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے تک یہ سارے مسافر میرے لئے اجنبی تھے۔ رات بھر میں ان سے بے تعلق بیٹھا رہا تھا۔ اور اب اچانک مجھے ان کے ساتھ ایک بھید بھرے رشتے کا احساس ہونے لگا۔ تو ہم سب ویاس پور کے مسافر ہیں۔ مجھے لگا کہ اس ڈبے ہی کے نہیں پوری گاڑی کے مسافر سب مسافر ویاس پور کے مسافر ہیں۔ تب میں نے ایک انس کے ساتھ ان سب مسافروں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ کسی نے سوچ

KitaabPoint.blogspot.com

آن کر دیا تھا اور اب پورے ڈبے میں روشنی تھی۔ ویسے اندھیرا اب باہر بھی پہلے جتنا نہیں تھا۔ میں نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ آسمان اجلا ہو چلا تھا۔ مخالف سمت میں دوڑتے ہوئے درخت کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک بھوت سے نظر آ رہے تھے۔ اب اجلتے جا رہے تھے۔ پوری فضا جاگتی جا رہی تھی جیسے ساری زمین و آسمان کو پتہ چل گیا ہو کہ ویاس پور آنے والا ہے۔

گاڑی اب ایک نئی طرح سے شور کر رہی تھی۔ پہیوں کی گڑگڑاہٹ نے ایک نیا رنگ پکڑ لیا تھا' جیسے بہت عجلت میں گردش کر رہے ہوں۔ پہیوں کی گڑگڑاہٹ سے زیادہ سیٹی کی آواز بیتابی کی چغلی کھا رہی تھی۔ اردگرد کا منظر بھی تیزی س بدلتا اور تیزی سے اجلا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ویاس پور پہنچنے کی سب ہی کو جلدی تھی اور میں تھا کہ دیکھے جا رہا تھا۔ تیزی سے گزرتے درخت مجھے جانے پہچانے لگ رہے تھے۔ بس یوں لگ رہا تھا کہ ان سب کو پہچانتا ہوں اور ان سب نے مجھے پہچان لیا ہے۔ مسرت اندر سے ابلی پڑ رہی تھی اور درختوں تک پہنچنے کے لئے بیتاب تھا۔ شاید ادھر سے بھی مسرت کا دھارا نکل رہا تھا اور مجھ تک پہنچ رہا تھا۔ پھر اچانک مجھے ایک خیال آیا اور بس فوراً ہی میں نے قریب کے منظر سے نظریں ہٹا کر دور نظر دوڑائی۔ ''دلکشا' پہلے تو چلتی گاڑی سے نظر آ جایا کرتی تھی۔ اب نظر نہیں آ رہی۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ محسوس کیا کہ شور کرتے پہیوں کی رفتار میں فرق آ گیا ہے۔ گاڑی اب قدرے آہستہ چل رہی تھی۔ مخالف سمت میں دوڑتے درختوں اور منظروں کی رفتار میں بھی فرق آ گیا تھا۔ اندر کے حال سے بے خبر میں باہر کے منظر کے ساتھ پیوست ہو چکا تھا۔ مگر اندر کے شور نے مجھے پھر اندر کی طرف ایک نظر ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ کتنے مسافر سامان اٹھا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ''ویاس پور آ گیا۔'' اور اس کے ساتھ ہی گاڑی ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ سٹیشن کی حدود میں داخل ہوئی۔ میں نے مخالف سمت میں نظر ڈالی۔ دور کی پڑی پر ایک گاڑی مسافروں سے لدی پھندی کھڑی تھی اور انجن سے کالا کالا دھواں نکل رہا تھا۔ اجلی فضا میں اڈ تابل کھاتا یہ دھواں کتنا زندہ نظر آ رہا تھا۔''

گاڑی اب پلیٹ فارم کے برابر برابر چل رہی تھی۔ ہجوم جو پلیٹ فارم پر امڈا ہوا تھا تیزی سے پیچھے کی طرف سرک رہا تھا۔ جو قلی چلتی گاڑی میں چڑھ آئے تھے ان میں سے ایک کو میں نے لپکا' اس پر اپنا سامان لادا اور عجلت سے باہر نکلا۔ مگر یہ عجلت گاڑی سے باہر آنے تک تھی۔ باہر آ کر میں نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ کھڑے ہو کر قریب و دور کا جائزہ لیا۔ پلیٹ فارم کی ایک ایک تفصیل پر نظر ڈالی۔ پھر میری نظر ٹین کے اس لمبے سائبان پر گئی جس کو سہارا دینے والے شہتیروں پر جنگلی کبوتر نیچے بہتے ہوئے سراسیمہ ہجوم سے بے نیاز ایک سکون سے بیٹھے تھے۔ دیر تک میں انہیں دیکھتا گیا۔ پھر دل ہی دل میں ایک گونہ اطمینان کے ساتھ کہا' یہ تو سب اسی طرح ہے۔

KitaabPoint.blogspot.com

ہجوم کو چیرتا ہوا ایک شخص تیزی سے میری طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ قریب آیا تو میں نے پہچانا اور اس کی طرف لپکا ''ارے شنکر تو؟'' ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

''یار جواد تو کتنا بدل گیا ہے؟''

''اور تو؟''

''ہاں میں بھی۔ بدلنا تو یار تھا ہی۔ زمانہ بھی تو کتنا بیت گیا ہے۔ مجھے تو بالکل یقین نہیں تھا کہ تو آئے گا۔'' قلی پر نظر ڈالی۔ بولا ''چلو۔''

''ٹھہر یار۔''

''کیوں' کیا بات ہے؟''

''دیکھ لینے دے۔'' ایک دفعہ پھر میں نے سٹیشن کے قریب و دور کا جائزہ لیا۔ دور پھیلی ہوئی پڑیوں سے لے کر ٹین کے سائبان تک ایک ایک تفصیل کا جائزہ لیا۔ شہتیروں پر بیٹھے ہوئے کبوتروں کو دیکھا ''یار شنکر' کچھ بھی تو نہیں بدلا ہے۔''

''اچھا یہاں سے تو نکل..... پھر تجھے پتہ چلے گا کہ کتنا کچھ بدل چکا ہے سب کچھ۔''

شنکر قلی کو ساتھ لے کر تیز تیز چل رہا تھا اور میں تھا کہ ارد گرد دیکھتا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ سٹیشن سے نکل کر میں نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے سامنے کھڑے تانگوں' ٹمٹموں اور رکشاؤں پر نظر ڈالیں۔ تعجب سے بولا ''یار شنکر' اب یہاں رکشا بھی چلتی ہے۔''

''ہاں'' شنکر نے لاپروائی سے کہا اور تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ ڈرائیور نے اتر کر ڈگی کھولی۔ سامان رکھا۔ میں غور سے دیکھتا رہا۔ پھر رہا نہ گیا۔ کار میں بیٹھ کر بولا ''یار وہ جو تمہارے یہاں تانگہ ہوا کرتا تھا۔'' اور اس کے ساتھ ہی ایک سجا سجایا تانگہ اپنے بالاقد گھوڑے کے ساتھ میری آنکھوں میں پھر گیا۔

''یار' راموکے مرنے کے ساتھ پتاجی نے تانگہ کا ٹنٹا ہی ختم کر دیا۔''

''راموم رگیا۔''

''ہاں یار۔''

مجھے کتنا افسوس ہوا۔ موت کی یہ پہلی خبر تھی جو میں نے ویاس پور میں قدم رکھنے کے ساتھ سنی۔ تھوڑی دیر کے لئے میں بالکل چپ ہو گیا۔ مگر مور کی آواز جو کہیں قریب ہی سے بلند ہوئی تھی اور سرعت سے فضا میں گونجتی چلی گئی تھی ایک دم سے افسوس کی کیفیت کو زائل

KitaabPoint.blogspot.com

کر دیا۔ اصل میں کار اس وقت لالہ ہر دیال کی بغیچی کے برابر سے گزر رہی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے گاڑی آہستہ کرنے کو کہا اور بڑے اشتیاق کے ساتھ بغیچی پر نظر ڈالی۔ نظر چھدرے درختوں کے بیچ سے گزرتی ہوئی کنوئیں تک گئی جس کے آس پاس کئی دھوتی پوش دنتون کرتے نظر آ رہے تھے۔ کنوئیں کو' اس کے آس پاس کھڑے درختوں کو' گلاب کی کیاریوں کو' کیوڑے کی جھاڑی کو سب کو میں نے آسانی سے پہچان لیا۔ بس دنتون کرنے والوں کو نہیں پہچان سکا۔

بغیچی جلد ہی گزر گئی' اور آس پاس کی وہ کوٹھیاں بھی جو درختوں میں گھری کھڑی تھیں۔ اس کے بعد بازار شروع ہو گیا۔ امرت دھارا بلڈنگ اور اس سے چار قدم آگے دال منڈی۔ بازار بند تھا۔ جہاں ڈھیر پڑے رہتے تھے' گیہوں کے' کپاس کے' گڑ کی بھیلیوں کے وہاں اس وقت میدان صفا چٹ تھا۔ جہاں تہاں دانے دنکے پڑے تھے جن پر جنگلی کبوتروں کی ٹکڑیاں اتری ہوئی تھیں۔ آس پاس کچھ گڑسلیں بھی حصہ بٹانے کے لئے آن موجود ہوئی تھیں۔ آدمی غائب' پرندے موجود۔ بس سڑک پر کہیں کہیں مہتر جھاڑو دیتے نظر آ رہے تھے۔ اس پر سکون فضا میں' میں نے ایک مرتبہ پھر اطمینان کا سانس لیا۔ دل ہی دل میں کہا کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ سب اسی طرح ہے۔

اس وقت سے اب تک کتنی باتیں ہو چکی تھیں۔ کھانے کی میز پر آ کر بھی باتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ جیسے پتہ ہی نہ ہو کہ کیا کھا رہے ہیں اور کھا بھی رہے ہیں یا نہیں کھا رہے۔ باتیں' باتیں' کب کب کے قصے' کہاں کہاں کے بکھیڑے۔

بولتے بولتے میں رکا۔ کچھ دیر چپ رہا۔ پھر بولا ''شنکر یار' اپنے گھر بھی تو جانا ہے۔''

''گھر'' شنکر نے مجھے تعجب سے دیکھا ''وہاں لوگ ہیں ابھی؟''

''پتہ نہیں۔ کون ہے۔ کون نہیں ہے۔ بہر حال چھوٹے میاں تو ہیں۔ تمہیں ان لوگوں کا کچھ اتہ پتہ نہیں۔ آخری بار میں تمہارے تایا جی کی مرتیو کے سمے گیا تھا۔ پھر جانا نہیں ہوا۔ پھر اڑتی اڑتی یہ خبر سنی کہ نہیں دلکشا بک رہی ہے۔ میں نے سوچا کہ بال آخر انہوں نے پاکستان جانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔''

''تم نے غلط سنا۔ ویسے تو اس دوران میرا ان سے رابطہ نہیں رہا۔ لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ کم از کم چھوٹے میاں نے یہاں ٹکے رہنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔''

''تمہارے آنے کی انہیں اطلاع ہے؟''

''نہیں۔ میں نے سوچا کہ جب اتنے دن سے خط نہیں لکھا ہے تو اب کیا لکھوں۔ بس وہاں جا کر ہی ملوں گا۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ اطمینان سے کل ادھر چلیں گے۔''

''پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن یار مجھے بے چینی ہو رہی ہے۔ میں یہاں آ کر گھر نہ جاؤں' یہ بات عجب ہی لگ رہی ہے پس ابھی چلنا ہے۔'' جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور اٹھ کھڑا ہوا ''بس اب اٹھ کھڑے ہو۔''

دال منڈی میں جہاں صبح کبوتروں اور گڑسلوں کے سوا کوئی مخلوق نظر نہیں آ رہی تھی اب ایک خلقت امنڈی ہوئی تھی۔ بازار میں یہاں سے وہاں تک سروں کا سمندر۔ اس میں پھنسی ہوئی کار چیونٹی کی چال چل رہی تھی۔ اور گرد کتنی اڑ رہی تھی۔ حلوائیوں کی گلی سے گزرتے گزرتے اس گرد میں دھواں بھی شامل ہو گیا اور مکھیاں بھی۔ ویاس پور صبح کتنا پر سکون نظر آیا تھا۔ اور کتنا اجلا۔ اب احساس ہو رہا تھا کہ ویاس پور کتنا میلا ہو چکا ہے۔ خدا خدا کر کے بازار سے نکلی۔ کچھ کشادگی کا احساس ہوا۔ دلکشا والی سڑک پر مڑتے ہوئے دل کتنی تیزی سے دھڑکا۔ مگر پھر کتنا حیران ہوا۔ یہاں سے وہاں تک دکانیں ہی دکانیں اور لوگ ہی لوگ۔ میرے تصور میں تو وہ خاموش سڑک تھی جس جس کی ایک سمت میں اونچے درخت اور کھیت' دوسری سمت میں یہاں سے وہاں تک لمبی سرخ سرخ اینٹوں والی ایک دیوار' اندر کیا تھا۔ اس کا ٹھیک اندازہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔ بس ایک اسی طرح کی اینٹوں کا بنا ہوا ایک بھاری سا ستون کھڑا نظر آتا تھا جو بعض دنوں میں مردہ سا اور بعض دنوں میں مستقل دھواں اگلتا اور پھک پھک کرتا دکھائی دیتا۔ اصل میں یہ روئی کا بیچ تھا جس کی حد ختم ہونے کے بعد بس تھوڑے قدم چل کر ہم دلکشا' میں داخل ہو جاتے۔ مگر اب تو اس بھاری دیوار کے برابر برابر یہاں سے وہاں تک دکانیں تھیں۔ اور دوسری سمت والے اونچے درخت اور کھیت' وہ کہاں گئے اور اتنے آدمی سڑک پر کہاں سے آ گئے۔ کتنی وحشت ہو رہی تھی اتنی خلقت کو دیکھ کر۔

کار سے اتر کر میں چند قدم چلا اور سکتہ میں آ گیا۔ ''دلکشا' کہاں ہے' منہ سے بے ساختہ نکلا۔ گیٹ سے کتنی دور تک پتلے سے کچے رستے پر تانگہ چلتا رہتا تھا۔ دائیں بائیں درخت ہی درخت' درختوں کے پیچھے درخت کچھ اونچے اور گھنے' کچھ جھاڑیوں کی طرح کے' آم' امرود' جامن' پھرانار' آڑو' آلو بخارا اور کیلے کے درختوں کی دو رویہ قطار جس کے بیچ سے تانگہ میں بیٹھ کر گزرتے ہوئے کتنا اچھا لگتا۔ سب درخت کہاں گئے۔ اور دلکشا کی عمارت؟ گرد آلود میدان میں دور تک نظر دوڑائی۔ دور اینٹوں کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا' ایک ڈھئی ہوئی عمارت' قریب جا کر غور سے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کی۔ منہدم در و دیوار کے بیچ بس ایک زینہ ہوتا تھا جسے میں پہچان سکا۔ عجیب بات ہے۔ ڈھئی ہوئی عمارت میں بس ایک زینہ ہوتا ہے جو اپنی شکل کو کسی نہ کسی طور برقرار رکھتا ہے۔''

صاف ستھری سیڑھی پر بیٹھ کر میں نے اپنے آپ کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ میں بھی جیسے ملبہ بننے لگا تھا۔ کتنی دیر تک گم سم بیٹھا

KitaabPoint.blogspot.com

رہا۔ شنکر نے بھی بولنا ضروری نہیں سمجھا۔ ہاں کچھ دیر بعد وہ قریب و دور کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا ''یہاں کوئی نظر بھی نہیں آ رہا۔ کس سے پوچھا جائے۔''

شنکر کے اس فقرے پر میں نے نظریں اٹھا کر اردگرد کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ دور ایک سمت میں ایک آباد گوشہ نظر آیا۔ نیم کا پیڑ' سائے میں چارپائی پڑی ہوئی' قریب گھوڑا بندھا ہوا اور بے جتا تانگہ۔ اس کے روبرو ایک کچی چہار دیواری' دروازے پر لٹکتا ایک میلا پھٹا پردہ۔ یاد آیا' یہاں بھوپت رہا کرتا تھا۔ اٹھ کر تیزی سے اس سمت میں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

ایک شخص کالا کلوٹا سا ٹھاپھا میلی دھوتی بنیان میں اندر سے برآمد ہوا۔ مجھے غور سے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر تڑپ کر بے ساختہ بولا ''منن میاں' تم؟''

میں حیران کہ یہ کون ہے آخر ''بھئی میں تمہیں پہچانا نہیں۔''

''میں بھولو ہوں جی۔ بھوپت کا بیٹا۔''

''اچھا اچھا بھولو۔'' مجھے یاد آ گیا تھا ''اور بھوپت کہاں ہے؟''

''اس کی تو مرتیو ہو گئی جی۔''

''اچھا..... یہ کب ہوا؟'' ''بس جی۔'' بھولو نے ٹھنڈا سانس بھرا ''جب کوٹھی اور باغ کا تیا پانچا ہوا تو باپو بہت دکھی ہوا۔ بس دنوں میں ڈھے گیا۔''

سمجھ میں نہ آیا کہ آگے کیا کہوں۔ رکتے رکتے پوچھا ''سب لوگ کہاں ہیں۔''

''سب لوگ کون جی۔ بس چھوٹے میاں ہی تو رہ گئے ہیں۔ وہ پرانی حویلی میں چلے گئے۔''

''پرانی حویلی..... اچھا.....۔''

بھولو میری معلومات میں مزید اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پرانی حویلی کا حوالہ پھر دیا اور کچھ کہنے لگا تھا کہ سامنے نظر آنے والی عمارت پر میری نظر گئی میں چونکا ''یہ کیا ہے؟''

''یہ..... یہ جی دھرم شالا ہے۔''

''دھرم شالا؟'' میں چکرایا ''یہ کوئی نئی شالا بنی ہے۔ وہ تو اور تھی۔'' میرے تصور میں دھرم شالا اور اس کے اردگرد کا سارا منظر گھوم گیا' اپنی ایک ایک تفصیل کے ساتھ۔ چھوٹی اینٹوں والی مستطیل نما چہار دیواری' چھوٹا سا دروازہ' باہر سے یوں نظر آتا کہ اندر بس